Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

گیان چند کی داستان شناسی (اردو کی نثری داستانیں) کے حوالے سے

Gian Chand's ki Dastan Shinasi with Reference to Urdu ki Nasri Dastane

عارف محمود
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گیریژن یونیورسٹی، لاہور
پروفیسر ڈاکٹر رفاقت علی شاہد
پروفیسر، شعبہ اردو، گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:
Dr. Gayan Chand is an authentic references of intellectual and litrary circles. He left a valuable asset on rereach, criticism, Arooz, linguistics, Iqbaliat and literary history. He is a writer of a dozen of books. Despite it, He wrote a number of articales on literature, Dastan, Research and Criticism. His published work like "Urdu ki Nsri Daastanen" and "Tehqeeq ka Fann" is included in the curriculam of different universities of India and Pakistan.Shams ur Rehman Farooqi termed Gayan Chand as the most influencial critic of the Urdu Dastan Gayan Chand will be remamhered for decades for his research and criticism.

Keywords: Gayan Chand, Urdu ki Nasri dastanen, Asloob, Muashrat, Dastan-i-Amir Hamza

ڈاکٹر گیان چند جین (19 ستمبر 1923ء۔19 اگست 2007ء) اردو کے معروف محقّق، مورّخ، نقّاد اور ماہر لسانیات ہیں۔ ان کا تحقیقی و تنقیدی کام متنوع اور معیار و مقدار کے لحاظ سے قابلِ تحسین ہے۔ وہ ایک وسیع المطالعہ اور کثیر الجہات شخصیت تھے۔ جنھوں نے عروض، لسانیات، غالبایت، مثنونیات، تنقید اور داستانوں پر بڑی عرق ریزی سے کام کیا اور اپنی بے باک اور بے لاگ رائے کی بنیاد پر خود بھی تنقید کی زد میں آئے۔ ان کی تصنیف ''ایک بھاشا دو لکھاوٹ'' خاص طور پر معتوب ٹھہری کیونکہ اس کتاب میں ان کی مسلمانوں اور اردو زبان سے متعلق آرا ان کے تحقیقی قد کاٹھ سے مماثل نہ تھی لیکن مجموعی طور پر ان کی دیگر تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کی دو تصانیف ''اردو کی نثری داستانیں'' اور ''تحقیق کا فن'' کو ادبی و علمی حلقوں میں خوب پذیرائی ملی اور رشید حسن خان جیسے بلند پایہ محقق اور نقاد بھی گیان چند کی علمیت، تحقیقی بصیرت تنقیدی بصارت اور موضوعاتی تنوع کے قدر دان اور قائل تھے۔ گیان چند کی انھی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> ''جین صاحب نے جتنے مختلف موضوعات پر اعلیٰ درجے کا کام کیا ہے اُس کو دیکھ کر اُن کی وسعتِ نظر کا ہر شخص کو قائل ہونا پڑتا ہے۔ عروض جیسے جان لیوا موضوع کی باریکیوں سے وہ خوب واقف ہیں۔ اقبال کے کلام سے متعلق جب ان کی کتاب چھپ کر آئی تو معلوم ہوا جیسے وہ ایک عرصے سے یہی کام کرتے رہے ہوں۔ پرانے ریختوں پر جب انھوں نے ایک مفصّل مقالہ لکھا تو اندازہ ہوا کہ قدیم ادب پر ان کی کتنی اچھی نظر ہے اور داستانوں پر ان کی جو کتاب ہے اُس کا بے مثال ہونا تو گویا مسلمات میں سے ہے۔''(1)

نثار احمد فاروقی کے بقول گیان چند نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اُس کا حق ادا کیا ہے۔ وہ گیان چند کو حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر سید عبداللہ اور قاضی عبدالودود کے پائے کا محقق شمار کرتے ہیں۔ تنقیدی حوالے سے شمس الرحمٰن فاروقی انھیں داستانوں کا سب سے کارآمد اور ذہین نقاد قرار دیتے ہیں اور تمام داستانی نقادوں میں سے صرف گیان چند کی خوبیوں کا کھلے عام اعتراف کرتے ہیں۔ فاروقی کے مطابق گیان چند وہ پہلے محقق اور نقاد ہیں جنھوں نے بالعموم داستان اور بالخصوص ''داستان امیر حمزہ'' کے حوالے سے بہت بنیادی اور مفید کام انجام دیے ہیں۔ گیان چند نے داستان کے متعلق غیر مربّیانہ رویہ اختیار کیا۔ اسے ناول سے جدا ایک اہم نثری بیانیہ قرار دیا۔ ''داستانِ امیر حمزہ'' کے دفاتر اور جلدوں کی تعداد کے بارے میں سوالات اٹھائے۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

فاروقی کے مطابق گیان چند نے ''داستان امیر حمزہ'' کی مختلف جلدوں کے سنِ اشاعت کے حوالے سے بڑی کدوکاوش کی اور چھیالیس جلدوں میں سے بیشتر جلدوں کی درست تاریخ اشاعت دریافت کی اور یہ اُن کا بہت بڑا تحقیقی کارنامہ ہے۔ گیان چند کے یہ تحقیقی کارنامے ان کی مایہ ناز تصنیف ''اردو کی نثری داستانیں'' کے مرہونِ منت ہیں۔ اس لیے فاروقی نے ان کی اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے اور اسے داستان کے محققین کے لیے اہم ترین ماخذ قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''جارج سینٹس بری کا قول تھا کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص کاروبار تنقید کرنا چاہے اور ارسطو کو نظرانداز کردے اور اُسے نقصانِ عظیم نہ ہو۔ بالکل یہی بات داستان اور گیان چند کے بارے میں کہی جا سکتی ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص داستان پر کام کرے اور گیان چند کی کتاب ''اردو کی نثری داستانیں'' کو نظرانداز کردے اور اُسے نقصانِ عظیم نہ ہو۔''(2)

فاروقیؔ نے گیان چند کی جس کتاب کو اتنا سراہا ہے وہ دراصل ان کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے جسے انھوں نے سید ضامن جلال کی نگرانی میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے 23 ماہ کی قلیل مدت میں مکمل کیا۔ بعدازاں انھوں نے اپنی اس کتاب یعنی ''اردو کی نثری داستانیں'' پر نظرثانی کی اور اس میں اتنی زیادہ تبدیلیاں کیں کہ بقول مصنف اس کتاب کے ابتدائی خاکے اور موجودہ صورت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند کے حصول کے لیے داخل کیے گئے مقالہ کے اسلوب اور ابواب بندی سے گیان چند قطعی طور پر مطمئن نہ تھے۔ اس لیے کتابی صورت میں اس مقالہ کی اشاعت سے پہلے انھوں نے اس میں جگہ جگہ ترمیم، تنسیخ، تصحیح اور اضافہ کیا۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''میں نے دیکھا کہ نثری داستانیں میں مواد تو کثیر ہے لیکن اس کا خاکہ لچر ہے اور زبان پھسپھسی ہے۔ میں نے ایک سال تک مزید تحقیق کی، خاکے کو بالکل بدل دیا اور مقالہ از سرِ نو لکھا۔ پہلے میں جس کام پر محجُوب ہوتا تھا۔ اُس کی کایاپلٹ کے بعد میں اُس پر نازاں ہو سکتا تھا۔''(3)

سندی تحقیق کے حوالے سے ایسی مثالیں شاذ ہی ملتی ہیں کہ اسکالر ڈگری ملنے کے بعد بھی اپنی تحقیقی کام کو زیادہ سے زیادہ معیاری اور وقیع بنانے کے لیے نئے سرے سے اُسی موضوع پر تحقیق کرے۔ بالعموم ڈگری ملنے کے تحقیقی مقالہ جات طاقِ نسیاں پر رکھ دیے جاتے ہیں لیکن گیان چند کی کھوجی طبیعت نے انھیں نئے سرے سے کھوج پر لگا دیا اور انھوں نے اپنی لیاقت، ذہانت اور ریاضت سے اپنی کتاب کو ایک حوالہ جاتی تصنیف میں بدل ڈالا۔ ان کے مقالے کا ابتدائی خاکہ صرف 1857ء تک کی داستانوں کے جائزے تک محدود تھا۔ لیکن انھوں نے ابتدائی خاکے کو نظرانداز کرتے ہوئے 1857ء کے بعد میں شائع ہونے والی دو اہم ترین داستانوں ''داستانِ امیر حمزہ'' اور ''بوستانِ خیال'' کو بھی اپنے جائزے میں شامل کر لیا جس سے ان کے تحقیقی کام کی وقعت میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ اس اہم اور مثبت تبدیلی سے ان کی تنقید بصیرت اور بیدار مغزی کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اپنے تحقیقی کام سے وہ بمشکل ہی مطمئن ہوتے تھے اور وہ اُسے خوب سے خوب تر بنانے کی جستجو میں ہمیشہ مصروف رہتے تھے۔

داستانوں کے اصل سرچشمے دریافت کرنے کا انھیں جنون تھا۔ اس حوالے سے انھوں نے ہندوستان کی تمام بڑی لائبریریوں کے مواد کو خوب کھنگالا اور بیرونِ ملک کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا۔ داستانوں کے قدیم، نایاب اور غیر مطبوعہ نسخوں کے حوالے سے انھیں مسعود حسن رضوی ادیب سے کافی مدد ملی۔ کتب اور مسودات کے بالاستعیاب مطالعہ کے بعد انھوں نے اپنے مشاہدات و تاثرات کو سہلِ زبان میں منتقل کیا اور مختلف موضوعات پر گہرائی اور گیرائی سے لکھا۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی دلچسپی کا خاص شعبہ یہی ہے اور وہ مدتوں اسی میں سیّاحی کرتے رہے ہیں۔

انھیں داستانوں اور دکنیات سے خاص شغف ہے۔ داستانوں کے متعلق ان کی معرکتہ الآرا تصنیف ''اردو کی نثری داستانیں'' پہلی بار انجمن ترقی اردو کراچی سے 1954ء میں شائع ہوئی۔ کراچی سے ہی اس کا دوسرا ایڈیشن انجمن ترقی اردو نے 1965ء میں شائع کیا۔ ہندوستان میں پہلی بار یہ کتاب 1979ء میں شائع ہوئی۔ اپنی پہلی اشاعت سے لے کر اب تک یہ کتاب بہت مقبول رہی ہے۔ پاکستان میں اس کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ طلبا اور محققین کو یہ نہایت مرغوب ہے۔ خود گیان چند اسے اپنی تصانیف میں سب سے اچھ گردانتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''میں اپنی نو عدد مطبوعہ اور ایک عدد زیرِ طبع یعنی دس کمزور تصانیف میں اسے بہترین سمجھتا ہوں۔''(4)

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

جائزے کے لیے ہمارے سامنے ''اردو کی نثری داستانیں'' کا جو نسخہ موجود ہے اسے فکشن ہاؤس لاہور سے 2019ء میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ کل گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آخر میں چار ضمیمے دیئے گئے ہیں۔ پہلا باب ''عہدِ قدیم میں قصہ گوئی''، دوسرا باب ''اردو کا قدیم افسانوی ادب''، تیسرا باب ''داستانوں کے فروغ و زوال کے اسباب''، چوتھا باب ''دکنی قصے''، پانچواں ''باب شمالی ہند میں داستان نویسی فورٹ ولیم کالج تک''، چھٹا باب ''اردو کی سنسکرت الاصل کہانیاں (فورٹ ولیم کالج میں اور اُس کے باہر)''، ساتواں باب ''سُرور اور اس کا عہد''، آٹھواں باب ''اردو میں الف لیلہ''، نواں باب ''داستانِ امیر حمزہ'' (1)، دسواں باب ''داستانِ امیر حمزہ (نول کشوری ایڈیشن)'' اور گیارہواں باب ''بوستانِ خیال'' پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ خاتمہ کے عنوان سے ''اردو نثر میں داستانوں کا مقام'' شامل ہے۔ کتاب کے آخر میں نثری داستانوں اور حکایتوں کی فہرست دی گئی ہے۔ دوسرے ضمیمے میں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود قصوں کے نسخوں کا احوال درج ہے۔ تیسرے ضمیمے میں شمالی ہند کی سب سے قدیم داستان ''قصہ مہر و افروز و دلبر'' کے ماخذ، مصنف اور اسلوب سے متعلق بحث ہے جب کہ چوتھے اور آخری ضمیمے میں اٹھارہویں صدی کی غیر مطبوعہ داستان ''عجائب القصص'' اور اس کے مصنف شاہ عالم ثانی کے ادبی مقام کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں کتابیات کا اہتمام ہے جس میں اردو کے علاوہ فارسی اور انگریزی زبان کی کتب اور رسائل کا اندراج ہے۔ مصنف کے مطابق کتابیات میں صرف انھی مآخذ کی فہرست کی گئی جن سے براہِ راست استفادہ کیا گیا ہے۔

''اردو کی نثری داستانیں'' میں گیان چند نے کہانی، حکایت، تمثیل، رومانی کہانی، قصہ اور داستان کی الگ الگ شناخت بیان کی ہے۔ وہ قصے اور کہانی کی ابتدائی صورتوں حکایت اور تمثیل کے درمیان تو واضح امتیاز قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن قصے اور داستان کے درمیان کوئی حد فاصل قائم نہیں کرتے اور اکثر قصوں اور داستانوں کو آپس میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔ وہ داستان اور انگریزی ادب کے ''رومانس'' کو ایک دوسرے کے مشابہہ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ انگریزی ادب کے رومانس اور اردو کی داستان کے عناصر ترکیبی میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔

گیان چند جین کے مطابق قصہ گوئی عرب میں باقاعدہ ایک فن تھا جب یہ فن عرب سے سرزمینِ فارس میں منتقل ہوا تو قصہ خوانی کی بجائے داستان گوئی کہلانے لگا۔ ایران سے داستان گوئی کی روایت ہندوستان پہنچتی ہے جہاں یہ صنف ادب اپنے بامِ عروج کو پہنچتی ہے۔ گیان چند کا خیال ہے کہ داستان مختصر بھی ہو سکتی ہے اور طویل بھی، اس میں فوق فطرت عناصر کی ریل پیل بھی ہو سکتی ہے اور یہ فوق فطرت عناصر کے بغیر بھی لکھی جا سکتی ہے۔ داستان میں قدم قدم پر عشق و عاشقی بھی میسر ہے اور لازمی نہیں کہ داستان میں عشقیہ واقعات ہی مرکزی کردار ادا کریں۔ کئی داستانیں طلسم کے ذکر سے خالی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ داستانوں میں عیاری کا ذکر سرے سے موجود ہی نہ ہو۔

دراصل مندرجہ بالا بیانات کے ذریعے وہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہر داستان کا اپنا ایک خاص ماحول اور خاص مزاج ہوتا ہے۔ کسی بھی ایک خاص داستان میں تمام کے تمام داستانی لوازمات کی موجودگی شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ اکثر داستانوں میں متذکرہ بالا داستانی عناصر میں سے کچھ موجود ہوتے ہیں اور کچھ مفقود۔ چونکہ داستان کا فن ارتقائی عمل کے ذریعے معراج تک پہنچا ہے اس لیے داستانی لوازمات بھی مرورِ ایّام کے ساتھ ساتھ داستان کے فن کا حصہ بنتے گئے اور یوں داستان کا رنگ روپ نکھرتا گیا۔ فوق فطرت عناصر، عشق اور طوالت کے حوالے سے گیان چند کی محتاط رائے پر تنقید کی گئی ہے۔ فوق فطرت عناصر اور داستان کے تعلق کے حوالے سے ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''یہاں یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ فوق فطرت عنصر داستان کی لازمی خصوصیت نہیں۔''(5)

فوق فطرت عناصر کے حوالے سے ہی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> ''ان سبھی طویل اور مختصر قصوں اور داستانوں میں فوق فطرت عناصر ملتے ہیں لیکن ان سے یہ سمجھ لینا کہ فوق فطرت عناصر داستان کا جزو لاینفک ہیں غلط ہو گا۔ فوق فطرت عنصر داستان کی جبلت کا جز نہیں۔''(6)

ان کی فوق فطرت عناصر کے حوالے سے رائے پر حیرت اس لیے ہوتی ہے کہ فوق فطرت عناصر کے بارے میں مندرجہ بالا رائے دینے کے بعد وہ تقریباً چار صفحات فوق فطرت عناصر کی اقسام بیان کرنے میں صرف کرتے ہیں اور ان کی مختلف انواع و مظاہر جیسا کہ جنّ، دیو، پری، پریزاد، عفریت، جادو، سحر، طلسم، تعویز اور تبدیلی قالب پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔ آگے چل کر یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ''داستانِ امیر حمزہ'' کی اہمیت کی بڑی وجہ فوق فطرت عناصر

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہیں اور اپنے ابتدائی بیان سے انحراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگرچہ فوق الفطرت کے بغیر بھی داستان لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن اردو کی کوئی داستانی کتاب اس سے صد فیصدی آزاد ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔''(7)

معاملہ یہ ہے کہ اگر ہر داستان میں فوق فطرت عناصر کی کچھ نہ کچھ کار فرمائی موجود ہے تو اس صورت میں فوق فطرت عناصر کو داستان کا جبلّی جزو قرار دینے میں کیا قباحت ہے۔ اس حوالے سے گیان چند خاموش ہیں۔ فوق فطرت عناصر کی طرح عشق کے حوالے سے بھی ان کی رائے میں تضاد پایا جاتا ہے۔ عشق کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''داستانوں میں ایک اور قدرِ مشترک ہے حسن و عشق کا عنصر، کیا اِسی کو داستانوں کا مابہ الامتیاز قرار دیا جائے۔ جن کا آفاقی اور دوامی جذبہ یقیناً داستان کا اہم عنصر ہے۔ لیکن اسے بھی ناگزیر نہیں قرار دیا جا سکتا۔''(8)

اگلے صفحات پر گیان چند ''عشق'' کو داستان کا بنیادی motif قرار دیتے ہیں۔ یہاں ان کی رائے اپنے پہلے بیان سے یکسر مختلف نظر آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ اردو داستانیں محض عشق کے بیان، محض نثر میں غزل گوئی ہی کے لیے تصنیف کی گئی ہیں۔''(9)

ایک دوسری جگہ عشق کی داستان کے لیے ناگزیریت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''عشق داستان کے بدن میں لہو کی جگہ ہے جس کے بغیر ڈھانچہ تنِ بے جان رہ جائے گا۔''(10)

داستان کے حوالے سے ان کا تیسرا اہم بیان طوالت کے حوالے سے ہے۔ یہاں بھی وہ تضاد بیانی کا شکار ہیں۔ وہ طوالت کو بیک وقت داستان کی فنی ضرورت بھی قرار دیتے ہیں اور عیب بھی۔ ان کے خیال میں داستان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ لازمی طور پر طویل ہو اور آگے چل کر اپنے ہی بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مہمات اور اضطراب یہ بھی تو داستان کے اجزا ہیں اور یہ سب اطناب ہی میں رونما ہو سکتے ہیں۔''(11)

یہاں پر انھوں نے طوالت کو داستان کی فنی ضرورت مان لیا ہے لیکن وہ دل سے تسلیم کرنے کو تیار نہیں کیونکہ ''داستان امیر حمزہ'' کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ یہ حکم صادر کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں:

''داستان میں جو بھی نقائص ہیں وہ اس کے بے جا طول کا نتیجہ ہیں۔''(12)

گیان چند کے اس اعتراض کا جواب شمس الرحمٰن فاروقی دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ جو نقاد داستان کی طوالت کو اور طوالت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تکرار کو داستان کا عیب قرار دیتے ہیں۔ وہ زبانی بیانیہ کی حرکیات سے ناواقفیت کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔ فاروقی کے مطابق طوالت داستان کی خوبی ہے نہ کہ عیب۔ داستان کی طوالت کے حوالے سے فاروقی کی رائے گیان چند کی رائے سے یکسر مختلف ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''داستان کی طوالت اس کی فنی ضرورت ہے۔ وہ داستان گو ہی کیا جو قصے کے اندر قصہ، الجھاوے کے اندر الجھاوا، پرانے واقعات سے نیا واقعہ نہ پیدا کر سکے۔ داستان کے جن نقادوں نے اس کی طوالت کا شکوہ کیا ہے وہ داستان کی شعریات سے بے خبر رہے ہیں۔''(13)

گیان چند کے دیگر معترضین کہتے ہیں کہ تحقیق کے میدان میں تو اُن کے جوہر خوب نظر آتے ہیں۔ لیکن تنقیدی رائے دیتے وقت وہ ایک سکہ بند نقاد کے طور پر نہیں اُبھرتے ہیں یا یوں کہہ لیجیے ان کی تحقیق کے سامنے ان کی تنقید دبی دبی سی نظر آتی ہے۔ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ ان کا مزاج بنیادی طور پر ایک محقق کا ہے اور ان کا اصل میدان تحقیق نگاری ہی ہے لیکن داستانوں کے مطالعہ میں انھوں نے تنقیدی انداز اپنایا ہے اور داستانوں سے متعلق معیاری تنقید کی ہے۔ داستانوں کی ادبی اہمیت جانچنے کے لیے وہ کیا معیارات سامنے رکھتے ہیں۔ اس حوالے ان کی رائے ملاحظہ ہو:

''داستانوں کی اہمیت کے دو پہلو ہیں۔ ادبی اور افسانوی۔ ادبی پہلو اُسلوبِ انشا، منظر نگار اور تہذیبی بیانات

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔افسانوی پہلو سے مراد قصہ پن ہے۔"(14)

داستانوں کی ادبی اہمیت کے حوالے سے ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"داستانوں کی اہمیت کے دو پہلو ہوتے ہیں۔انشاپردازی کا معیار اور ہم عصر معاشرت کی عکاسی۔"(15)

گیان چند نے داستانوں کا ادبی مقام و مرتبہ متعین کرنے کے لیے اپنے اسی متذکرہ بالا اصول کو پیش نظر رکھا ہے۔"سب رس" سے لے کر "بوستانِ خیال" تک کے جائزے میں انھوں نے ان سبھی داستانوں کے اُسلوب، منظر نگاری، تہذیبی بیانات اور قصہ پن کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھا ہے۔ مختلف داستانوں کے اسلوب اور معاشرت کے بارے میں انھوں نے اپنی نپی تلی اور واضح تنقیدی رائے دی ہے۔"سب رس" کی نثر کے وہ گن گاتے ہیں اور اس کے مصنف ملا وجہی کا شمار اردو کے ممتاز نثر نگاروں میں کرتے ہیں۔"سب رس" کی زبان کی تحسین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اردو نثر کی ابتدائی صدیوں کی تاریکی میں سب رس روشنی کے معیار کی طرح دور تک ضوپاش اور جلوہ بار ہے۔"(16)

اگرچہ عطا حسین خاں تحسین کی "نوطرزِ مرصع"، "سب رس" کے تقریباً چالیس سال بعد میں لکھی گئی لیکن اس کی زبان میں سلاست اور روانی کی بجائے اغلاق، تصنع اور تکلف پایا جاتا ہے۔گیان چند کے خیال میں تحسین کی عبارت کو مشکل سے ہی اردو قرار دیا جاسکتا ہے۔اگرچہ اس داستان کا اُسلوب انھیں خاص متاثر نہیں کرتا لیکن "نوطرزِ مرصع" کا اسلوب ہی ان کے بقول "فسانۂ عجائب" کی بنیاد بنا۔

"باغ و بہار" کو اردو کی پہلی سلیس داستان قرار دیا جاتا ہے اور اس کے سہل ممتنّع سے مملو اسلوب نگارش کے موجد میر امن دہلوی ہیں لیکن گیان چند اس سے اختلاف کرتے ہیں۔وہ شستہ و سلیس اردو کا موجد میر امن دہلوی کی بجائے مہر چند کھتری مصنفہ "قصہ ملک محمد و گیتی افروز" کو قرار دیتے ہیں۔اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

"عام خیال یہ ہے کہ میر امن وہ مجتہد تھے جنھوں نے عربیت کے طلسم کو توڑ کر پہلی بار شستہ و سلیس زبان لکھی۔لیکن اجتہاد و اولیت کا جو سہرا "باغ و بہار" کے سر باندھا جاتا ہے۔وہ دراصل مہر چند کھتری مہر کی داستان "لوآئینِ ہندی عرف قصہ ملک محمد و گیتی امروز" کا حق ہے۔"(17)

لیکن گیان چند "باغ و بہار" کی ادبی عظمت کے بھی زبردست مداح ہیں۔وہ اسے اردو کی بہترین دستان قرار دیتے ہیں۔گیان چند کے خیال میں اگر اردو کی دو اعلیٰ ترین داستانوں کے متعلق سوال کیا جائے تو بلا تامل "باغ و بہار" اور "داستان امیر حمزہ" کا نام لیا جاسکتا ہے۔"باغ و بہار" کے مقام و مرتبہ اور اسلوب کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

"، "باغ و بہار" مسلمہ طور پر اردو کی بہترین داستان ہے۔میر امن کا سہلِ ممتنع اور اسلوب اس کی حیاتِ ابدی کا ضامن ہے۔"(18)

اُسلوب کے سوا "باغ و بہار" کی جس خوبی نے گیان چند کو زیادہ متاثر کیا ہے وہ دلی کی معاشرت کے جیتے جاگتے نمونے ہیں۔میر امن نے اس داستان میں دلی کی رسم و رواج، لباس، بعام، ادب آداب، نشست و برخاست ہر ایک امر کو خوب سلیقے سے بیان کیا ہے۔اس داستان میں انواع و اقسام کے کھانوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن کے محض نام پڑھ کر قاری کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔امن کی معاشرت کی اس کامیاب پیش کش کو سراہتے ہوئے گیان چند لکھتے ہیں:

"ان کھانوں سے واہی واقف ہو سکتا ہے جس نے درباروں اور ڈیوڑھیوں میں عمر گزاری ہو۔کھانوں کے نام پڑھتے پڑھتے بھوک معلوم ہونے لگتی ہے۔آج ان کو جاننے والے بھی مغتنمات میں سے ہیں۔ یہ شاہی تکلف ہے یہاں کوئی کمی نہیں۔اس نے جس شے کا ذکر کیا ہے تفصیل کے انبار لگا دیے ہیں۔"(19)

"باغ و بہار" میں اگر میر امن نے دلی کی معاشرت کو محفوظ کرنے کی کوشش کی تو فسانہ عجائب لکھ کر رجب علی بیگ سرور نے لکھنؤ کی

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

معاشرت کی عکاسی کی ہے۔ لکھنوی معاشرت کی جس بڑے پیمانے پر تشہیر فسانہ عجائب اور ''فسانہ آزاد'' میں کی گئی ہے، اردو کی کسی دوسری داستان میں نہیں۔ ''فسانہ عجائب'' میں معاشرتی پیش کش کے حوالے سے گیان چند جین لکھتے ہیں:

> ''معاشرت کی تصویریں متنِ داستان میں کثرت سے ہیں۔ سرور کے مبلغِ علم کا سکہ۔ اس وقت بیٹھتا ہے جب وہ انجمن آراء کے مانجھے، ساچق، شادی، جہیز اور سواری کا بیان کرتے ہیں۔ یہ ساز و سامان، یہ جاہ و حشم دیکھ کر نظیر خیرہ ہو جاتی ہے۔ ایسی شاندار تفصیلات اسی سے ممکن تھیں جس نے شایانِ لکھنؤ کے شکوہ کے درمیانِ عمر گزاری ہو۔''(20)

داستانی تنقید میں گیان چند کا سب سے بڑا کارنامہ ''داستانِ امیر حمزہ'' کے ماخذ، ترتیب، مصنّفین، دفاتر اور جلدوں کی تعداد کے بارے میں مفید معلوم فراہم کرنا ہیں۔ انھوں نے اس بے نہایت داستان کی رام پوری اور نول کشوری روایتوں پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ ''داستانِ امیر حمزہ'' کی عظمت اور شکوہ کے دل سے قائل ہیں ور اس محیر العقول نثری کارنامے کے محاسن کو خوب سراہا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس داستان کے پلاٹ اور بے جا طوالت پر اعتراضات بھی عاید کیے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر وہ اسے اردو ادب کا بہت بڑا نثری کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ اس داستان کی فنی عظمت کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''شررؔ کے مطابق داستان کے چار فن ہیں، رزم، بزم، حسن و عشق، عیاری۔۔۔ ''داستانِ امیر حمزہ'' میں چاروں پہلوؤں کی بڑی بھرپور نمائندگی ہے۔''(21)

شمس الرحمٰن فاروقی بھی ''داستانِ امیر حمزہ'' کو نہ صرف اردو ادب بلکہ عالمی ادب کا شاہکار قرار دیتے ہیں۔ گیان چند اور فاروقی کے درمیان بنیادی اختلاف اس داستان کے موضوع کے حوالے سے ہے۔ گیان چند ''داستانِ امیر حمزہ'' کو مذہبی داستان قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس داستان کی بنیاد خیر و شر کا تصادم ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''داستان امیر حمزہ بنیادی طور پر مذہبی داستان ہے۔ اس میں دو فریق ہیں، مسلمان اور کافر۔ ساری معرکہ آرائی تبلیغِ اسلام اور استیصال کفر کے لیے ہے۔''(22)

جب کہ شمس الرحمٰن فاروقی کا خیال ہے کہ اس داستان کے مسلمان کردار خالصتاً دنیادار لوگ ہیں۔ دعوتِ سلام مسلمان شاہزادوں کی طرف سے صرف ایجاب و قبول سے پہلے دی جاتی ہے۔ جب وہ طبقہ کفار سے کسی نازنین کو بھگا کر اپنے عقد میں لانا چاہتے ہیں یا میدانِ جنگ میں اتمام حجت کے لیے۔ اس سے سوا پوری داستان میں کہیں تبلیغ اسلام اور اشاعتِ اسلام کا کوئی باقاعدہ انتظام نظر نہیں آتا۔ مزید برآں دعوتِ اسلام اگر کوئی ایمان شکن کافرہ قبول بھی کر لے تو اس کے فوراً بعد مئے نوشی اور جسمانی اختلاط عام ہے اور اس داستان میں امیر حمزہ صاحبقراں جیسی معزز و مقدس ہستیاں بھی متواتر معاشقوں میں مشغول نظر آتی ہیں اور بغیر نکاح کے مسلمانوں کی طرف اتصالِ جسمانی یعنی ظاہری اختلاط کے واقعات بھی کثرت سے ہیں۔ اس داستان کے موضوع کے حوالے سے فاروقی لکھتے ہیں:

> ''داستانِ امیر حمزہ کا موضوع اگر کوئی ہے تو اسے ''ساحری، شاہی اور صاحبِ قرانی'' کے تین عنوانات کے تحت رکھ کر بیان کیا جا سکتا ہے۔ ان تینوں تصورات کے دونوں پہلو (جنھیں علوی اور سفلی کہیں تو بے جا نہ ہوگا) داستان میں پوری شرح اور بسط اور تقریباً ہر ممکن جدت کے ساتھ معرضِ اظہار میں لائے گئے ہیں۔''(23)

ایک داستانی نقاد کے طور پر گیان چند پر انتظار حسین، سہیل احمد خان، سہیل بخاری، معصوم رضا راہی نے اعتراضات بھی عائد کیے ہیں۔ انتظار حسین، گیان چند کے اس بیان پر معترض ہیں کہ ''داستان انحطاطی دور کی پیداوار ہے، سہیل احمد خان کا خیال ہے کہ گیان چند داستانی تنقید میں شخصی تعصبات سے خود کو بالاتر نہیں کر سکے۔ سہیل بخاری معترض ہیں کہ گیان چند نے مختصر داستانوں کی جو تقسیم کی ہے وہ زمانی ہے نہ مکانی، راہی معصوم رضا کہتے ہیں کہ گیان چند نے داستانوں کو خوب کھنگالا ہے مگر یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ''طلسم ہوشربا'' ترجمہ ہے یا طبع زاد۔

جہاں تک انتظار حسین کے اعتراض کا سوال ہے کہ گیان چند نے داستان کو انحطاطی دور کی پیداوار قرار دیا ہے اور داستان کے مرتبے کو گھٹانے کی

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

دانستہ کوشش کی ہے۔ یہ اعتراض کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ گیان چند نے داستان کو اردو ادب کی نہایت قابل قدر اور اہم صنف شمار کیا ہے۔ وہ اسے اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ اسے غزل سے بھی زیادہ محبوب قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''داستان اردو ادب کی سب سے موہنی صنف ہے، غزل جو شاہوں کے ایوان اور شاہ صاحبان کی تکیوں کی رونق بزم ہونے کی مدعی ہے۔ گیرائی میں داستان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔''(24)

اب ذرا سہیل احمد خان کا گیان چند پر اعتراض ملاحظہ ہو:

> ''ڈاکٹر گیان چند جین کی مشہور تصنیف ''اردو کی نثری داستانیں'' بے حد وقیع ہے اور داستانوں پر کسی انداز کا کام کرتے ہوئے اس سے بے حد قیمتی معلومات مل سکتی ہیں تاہم داستانوں پر تنقید کے سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند بھی اپنے عصر کے تعصبات کے اسیر ہو جاتے ہیں۔''(25)

جہاں تک سہیل احمد خان کے اعتراض کا جواب ہے تو گیان چند اگرچہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ نقاد اور محقق کو ذاتی تعصبات سے بالاتر ہو کر فن پارے کے بارے میں تنقید اور تحقیق کرنی چاہیے اور رائے دینی چاہیے۔ لیکن کوئی بھی نقاد اور محقق صد فیصد ایسے ذہنی و مذہبی تعصبات سے ماورا ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ''اردو کی نثری داستانیں'' میں گیان چند بھی ایسی بشری لغزشوں کا شکار ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا مجموعی تاثر ایک سلیقہ مند اور منجھے ہوئے نقاد کا ہے۔

جہاں تک سہیل بخاری کے اعتراض کا تعلق ہے کہ گیان چند نے داستانیں کی گروہ بندی میں زمانی اور مکانی امور کا خیال نہیں رکھا اور رام پور جو کہ دستان کا ایک بڑا مرکز تھا۔ اسے اپنی تصنیف میں نظر انداز کر دیا ہے۔ جزوی طور پر درست ہے کیونکہ گیان چند اگر رام پور کی داستانوں کی محض فہرست دینے کی بجائے ان تمام داستانوں پر تنقید کرتے تو شاید انھیں اس کے لیے ایک الگ کتب مرتب کرنی پڑتی۔

گیان چند نے اردو داستانوں پر تنقیدی سرمائے میں اپنی محنت، ذہانت اور قابلیت سے شاندار اضافہ کیا۔ ان سے پہلے داستانی تنقید پر صرف کلیم الدین احمد کی ''اردو بیان اور فن داستان گوئی'' ملتی ہے۔ گیان چند نے کلیم الدین احمد کی روایت کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اس میں امتیازی شان پیدا کی۔ گیان چند کے ہاں ہمیں کلیم الدین احمد سے کہیں زیادہ گہرائی اور گیرائی نظر آتی ہے۔ گیان چند کی داستانی تنقیدی بصیرت کو ارتضیٰ کریم یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

> ''ڈاکٹر گیان چند کی یہ تحقیقی اور تنقیدی کاوش اس اعتبار سے بھی لائقِ صد تحسین ہے کہ انھوں نے اردو کی نثری داستانوں کے تمام اہم ماخذات کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ ان پر تحقیق اور تشکیک کی نظر ڈالی۔۔۔ ڈاکٹر گیان چند کی کل تحقیق پر کوئی اضافہ ہو تو اس سے ان کی تحقیقی کاوش پر حرف نہیں آتا۔''(26)

گیان چند شہرت اور خود نمائی سے دور بھاگتے تھے۔ انھوں نے اپنے ہم عصر ادیبوں کی نگارشات پر بہت سے مضامین لکھے لیکن اپنی تحریروں پر کبھی ان سے جوابی تعریفی مضامین لکھوانے کی فرمائش نہ کی۔ جب 1993ء میں انہوں نے حیدرآباد یونیورسٹی سے ریٹائر ہو کر لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کی تو ان کے عزیز شاگرد بیگ احساس نے بڑے اصرار سے ''ارمغان گیان چند'' ترتیب دینے کی ان سے اجازت لی لیکن جن دوستوں سے گیان چند کو بہت امید اور توقع تھی کہ وہ ان کی تصنیفات پر مضامین قلم بند کریں گے۔ وہ امید پوری نہ ہوئی اور بار بار کی یاددہانیوں کے باوجود صرف چند ایک مضامین ہی بیگ احساس کو بھجوائے گئے جن سے ارمغان ترتیب دینا ممکن نہ تھا۔ ''نیا ورق بمبئی'' میں ''گوشۂ گیان چند'' چھاپ دیا گیا اور اس طرح اردو ادب والوں نے اپنے محسنین کے ساتھ اپنی بے اعتنائی کی روایت کو برقرار رکھا۔ بے رخی اور بے اعتنائی کے اسی زخم کو لیے وہ 19 اگست 2007ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

حوالہ جات

1۔ رشید حسن خان، جین صاحب، مشمولہ، نیا ورق، بمبئی: شمارہ28، اکتوبر تا دسمبر 2007ء، ص24
2۔ شمس الرحمٰن فاروقی، نقدِ داستان، گیان چند اور طلسم فصاحت، نیا ورق، ایضاً، ص25
3۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، لکھنؤ: اتر پردیش اکادمی، 1987ء، ص10
4۔ ایضاً، ص11
5۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، لاہور: فکشن ہاؤس، 2019ء، ص38۔37
6۔ ایضاً، ص42
7۔ ایضاً، ص52
8۔ ایضاً، ص42
9۔ ایضاً، ص64
10۔ ایضاً، ص67
11۔ ایضاً، ص43
12۔ ایضاً، ص511
13۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ساحری شاہی وصاحب قرانی، جلد اول، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، 1999ء، ص155
14۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، لاہور: فکشن ہاؤس، 2019ء، ص84
15۔ ایضاً، ص288
16۔ ایضاً، ص108
17۔ ایضاً، ص126
18۔ ایضاً، ص153
19۔ ایضاً، ص162
20۔ ایضاً، ص303
21۔ ایضاً، ص509
22۔ ایضاً، ص510
23۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ساحری، شاہی وصاحب قرانی، جلد اول، ص89
24۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، ص189۔188
25۔ سہیل احمد خاں، مجموعہ سہیل احمد خاں، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2009ء، ص152
26۔ ارتضیٰ کریم، اردو فکشن کی تنقید، لاہور: عکس پبلی کیشنز، 2019ء، ص100